ڈاکٹر فرمان فتحپوری :

ڈاکٹر غلام مصطفی خاں

(زبان دانی و لغت شناسی کی ایک مثال)

اردو کے قواعدی اور لغوی مباحث و مسائل پر کچھ لکھنا جتنا مشکل ہے کسی اور زبان کے مباحث و مسائل کے سلسلے میں نہیں ہے۔ اس کا سبب ہے۔ اردو اپنی ساخت، ترکیب اور مزاج میں دنیا کی ساری زبانوں سے بہت مختلف ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اردو، ان زبانوں سے بھی بہت الگ ہے جن کے درمیان اور جن کے زیر اثر وہ پروان چڑھی ہے، میری مراد فارسی، عربی اور ہندوستان و پاکستان کی ان متعدد علاقائی زبانوں سے ہے جن کا اثر اردو کی ظاہری و معنوی دونوں سطحوں پر صاف نظر آتا ہے۔

بایں همه اردو کا صوتی آهنگ، اس کے حروف تہجی، حروف تہجی کے نام، ان کی تعداد، حروف کی ترکیب کے قاعدے، صرفی و نحوی اصول اور مرکبات کے اسالیب سب کے سب ان زبانوں سے بہت مختلف و منفرد ہیں۔ حتیٰ کہ اس کا نام تک سب سے جدا ہے دنیا کی اکثر زبانیں عموماً کسی خاص ملک یا علاقے کی نسبت سے موسوم ہیں جیسے ہندوستانی، چینی، جاپانی، فرانسیسی، جرمن، یونانی، عربی، فارسی اور ترکی وغیرہ لیکن اردو کا معاملہ سب سے جدا ہے۔ وہ آریائی گروہ کی زبانوں سے تعلق رکھنے کے باوصف دوسرے لسانی گروہ کی زبانوں سے بھی منسلک

و مستفید ہے۔ آج سے نہیں ابتدا ہی سے۔ اردو کی بھی وہ خصوصیت و نوعیت ہے جو اس کے لسانی مسائل، خصوصاً قواعد اور لغت کے مسائل پر اظہار خیال کو مشکل بناتی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا اردو نے اپنی ہم عصر زبانوں سے اثر بھی قبول کیا ہے اور ان سے الگ تھلگ بھی رہی ہے۔ گویا اس کی سادگی میں ایک طرح پیچیدگی اور اس کی انفرادیت میں ایک طرح کی اجتماعیت دخیل ہے اور جب تک کوئی شخص بعض دوسری زبانوں خصوصاً ہندی، فارسی، اور انگریزی یعنی تین بڑی آریائی زبانوں کے لسانی پس منظر اور ساخت و قواعد سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ عربی زبان کے تصریفی نظام و نحوی اصولوں سے آگاہی نہ رکھتا ہو وہ اردو کے کسی عمومی لسانی پہلو پر بھی قابل اعتنا اظہار خیال نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ اردو کے صرفی و نحوی اور لغوی مسائل پر۔ بات یہ ہے کہ اردو کے لسانی مسائل کوھاتھ لگاتے ہی، آریائی و غیر آریائی دونوں زبانوں کے گروہ، کسی نہ کسی نہج سے زیر بحث آجاتے ہیں اور مسئلے کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔

شاید یہی وجہ ہے کہ اردو لغت اور نحوی قواعد و اصول کے سلسلے میں ہمارے ہاں اب تک کوئی ایسا بلند پایہ کام نظر نہیں آتا جیسا کہ دوسری زبانوں میں ملتا ہے۔ مولانا فتح محمد جالندھری اور مولوی عبدالحق کے بعد صرف ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی ذات گرامی ایسی نظر آتی ہے جنھوں نے اردو نحو پر عالمانہ قلم اٹھایا ہے اور اپنی کتاب "جامع القواعد" حصہ نحو شائع کردہ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۳ء میں آج کے لسانی تقاضوں کے مطابق، ان میں ترمیم و تصحیح اور حک و اصلاح کی راہیں سجھائی ہیں۔ اس سلسلے میں وہ سب کچھ ان کے مطالعے میں آتا ہے جو اردو نحو کے بارے

میں اب تک لکھا گیا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے ہر قواعد نگار کے بیان کو جانچا پرکھا ہے اور تازہ ترین علمی دلائل کے ساتھ نتائج کا استنباط کیا ہے ۔

جہاں تک اُردو لغت نویسی کا تعلق ہے "فرہنگ آصفیہ" اور نوراللغات کے بعد کوئی قابل ذکر مستند کام نظر نہیں آتا ۔ صرف مولوی عبدالحق نے اس سلسلے میں اپنی پوری توجہ صرف کی ہے اور انجمن ترقی اُردو کی معرفت جدید طرز پر مرتبہ ان کی انگریزی اردو لغت منظر عام پر آئی ہے ۔ اُردو لغت کے سلسلے میں بھی اُن کے ذہن میں ایک جامع منصوبہ تھا ۔ اس منصوبے پر اُنھوں نے کام بھی شروع کر دیا تھا اور اس کا ایک نمونہ بھی مرتب کر دیا تھا افسوس کہ وہ اِس کام کو مکمل نہ کر سکے اور اُن کا کام صرف الف ممدودہ کے الفاظ و محاورات تک ھی محدود رہا لیکن یہ کلام بھی جو کم و بیش ہزار صفحات پر محیط ہے اور جسے "لغت کبیر" کے نام سے انجمن نے شائع کیا ہے بہت بڑا کام ہے اور مولوی صاحب کی اردو دوستی اور مسائل لغت سے ان کی غیر معمولی دلچسپی کا ثبوت فراہم کرتا ہے ۔ اس کا بسیط مقدمہ بھی اُردو لغت نویسی کی تاریخ میں گراں قدر اضافہ ہے ۔ اس مقدمے کا ایک طویل اقتباس اُردو لغت بورڈ کی مطبوعہ لغت کی جلد اول میں بھی شامل ہے اور سچ یہ ہے کہ آغاز کار سے پہلے یہی مقدمہ بورڈ کے ارکان کے پیش نظر رہا ۔

مولوی عبدالحق اور انجمن کی کوششوں کے بعد حکومت پاکستان کی طرف سے ایک جامع اردو لغت کا منصوبہ مرتب ھوا اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اردو ڈکشنری بورڈ (ابتدائی نام ترقیٔ اردو بورڈ) قائم کیا گیا ۔ ملک کے تقریباً سارے ھی علمائے زبان و ادب ،

اس بورڈ سے کسی نہ کسی حیثیت سے منسلک رہے اور آج بھی منسلک ہیں۔ اِن سب کی اپنی قابل تحسین خدمات ہیں اور ان سب کی رہنمائی ہی میں لغت کا کام آگے بڑھ رہا ہے۔ لیکن میں اس جگہ صرف ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی رہنمائی کے بارے میں اجمالاً کچھ عرض کروں گا اور وہ بھی اس لیے کہ میں پچھلے پانچ سال سے بحیثیت چیف ایڈیٹر، اردو لغت بورڈ سے وابستہ ہوں اور مجھے ڈاکٹر صاحب کے لسانی مزاج کو سمجھنے اور لغت کے حوالے سے ان کے تبحر علمی سے مسلسل مستفید ہونے موقع ملا ہے۔

مجموعی طریقۂ کار یہ ہے کہ اردو لغت بورڈ اپنے مسودات، پہلے ملک کے متعدد اسکالروں کو ملاحظہ اور مشورے کے لیے بھیجتا ہے۔ خاصی رد و قدح کے بعد جب یہ مسودے نیم حتمی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو ان کے ٹائپ شدہ مبیضے ایک بار پھر، چند علمائے زبان و ادب کو جن میں ایک نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا بھی ہے، مشورہ و اصلاح کی غرض سے بھیجے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے پاس سے جو مسودے واپس آتے ہیں ان سے صرف یہی نہیں کہ متعدد زبانوں سے ڈاکٹر صاحب کی گہری واقفیت اور لغت نویس کے مسائل سے غیر معمولی دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ان کی زندگی کے بعض گوشوں پر بھی روشنی پڑتی ہے اور ان کی علمی و ادبی شخصیت کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے دیکھے ہوئے مسودات کی روشنی میں پہلی بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ وہ شعوری طور پر ہر قسم کے اطناب سے بچتے ہیں اور اپنے اظہار خیال میں حد درجہ اختصار سے کام لیتے ہیں۔ کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ باتیں کہہ دینا اور کم سے

کم جگہ میں زیادہ سے زیادہ باتیں لکھ دینا انھی کا حصہ ہے۔ پھر یہ نہیں کہ خط گنجلک و شکستہ ہو یا پڑھنے میں دشواری ہوتی ہو، ایسا ہرگز نہیں۔ خط نہایت ہی پاکیزہ و نفیس ہوتا ہے۔ حروف موتی کی طرح پروئے ہوئے ہیں اور اُن کے شوشے دائرے، جوڑ، اعراب اور نقطے اپنی اپنی جگہ ایسے قرینے سے جڑے ہوتے ہیں کہ پڑھنے والے کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ رسم خط میں اُن کی یہ ایجاز پسندی، اُن کے مزاج سے خاص مناسبت رکھتی ہے اور جو سادگی و خود پوشی اور جزو رسی و گوشہ گیری، اُن کی عملی زندگی میں نظر آتی ہے وہی ان کی تحریر سے بھی نمایاں ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے اصلاح شدہ مسوّدوں کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ہندی، انگریزی، عربی اور فارسی کے عالم ہونے کے باوصف، اُن کے تحریروں میں کہیں کوئی اِدّعا یا نمائشِ علم کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ لب و لہجہ میں ہر جگہ سنجیدہ و متین ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی معصوم اور خاکسارانہ ہوتا ہے۔ نہ تو اپنی کسی بات کو منوانے کی کوشش ہوتی ہے نہ اپنی کسی رائے یا مشورے کو قبول کر لینے پر اصرار ہوتا ہے۔ وہ اپنی کسی رائے کو آخری رائے نہیں سمجھتے بلکہ خوش دلی کے ساتھ ترمیم و تنسیخ کی اجازت دے دیتے ہیں۔ کسی کے رائے سے اختلاف بھی کریں گے تو ایسے مدھم اور نرم لہجے میں کہ بات صرف علمی بحث تک محدود رہے اور کسی صورت میں بھی دوسرے کی تضحیک یا دل آزاری کا سبب نہ بنے۔ اُن کی تحریر میں یہ شانِ خاکساری و بے نیازی دراصل اُن کے صوفیانہ و درویشانہ مزاج کی

عکاسی ہے اور ان کے سچے عالم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ تجرعلمی کی اولین شناخت، خود نمائی خود ستائی یا دعویٰ و ادعا نہیں بلکہ انکسار و عاجزی ہے۔

لغت کے مشوروں کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کی تیسری قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس بات کو غلط یا خام و ناقص جانتے ہیں اُسے قلم زد کرکے آگے نہیں بڑھ جاتے بلکہ اس کی صحیح صورت اور متبادل بھی فراہم کر دیتے ہیں۔ یہ خاصا مشکل کام ہے اور غیر معمولی مطالعہ و لسانی حذاقت چاہتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس مشکل کام کو جس خوش اسلوبی و آسانی سے انجام دیتے ہیں اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان کے ساتھ ساتھ اردو شعر و ادب پر بھی انکی بہت گہری نظر ہے۔ سارے قدیم و جدید ادب کو انھوں نے پڑھ رکھا ہے اور اُن کا علم محض کتابی نہیں بلکہ مُستحضر ہے۔ ہزاروں اشعار، نثر کے سیکڑوں ٹکڑے نیز بے شمار فقرے اور مقولے اُن کے حافظے میں محفوظ ہیں اور جہاں ضرورت ہوتی ہے انھیں بہت قرینے سے بطور مثال پیش کر دیتے ہیں۔

یہ باتیں میں یونہی نہیں بلکہ اُن مسوّدات کی روشنی میں کہہ رہا ہوں جن پر ایک نظر ڈال کر، ڈاکٹر صاحب بورڈ کو واپس بھیج دیتے ہیں۔ ان کی یہ ایک نظر، زیرِ ترتیب لغت کے مسوّدے کی تزئین و تکمیل میں ایسی کارگر ہوتی ہے کہ بورڈ کے کارکنان، تحقیق و تلاش کے کئی کٹھن مرحلوں سے بچ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک دو نہیں سیکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن میں اس جگہ صرف حرف ”س“ کے الفاظ کےحوالے سے چند باتیں عرض کروں گا اور وہ بھی صرف لفظ ”سر“ کے تعلق سے۔

سر سے بوجھ گرنا: ڈاکٹر صاحب کو جو مسودہ ملاحظے کے لیے بھیجا گیا تھا اس میں اس محاورے کی سند میں کئی اشعار اور فقرے درج تھے ہر صدی کے شعری و نثری ادب سے مثالیں دی گئی تھیں لیکن خوب سے خوب تر اور مستند سے مستند تر کا خیال، نظرانداز ہوگیا تھا۔ غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے محسوس کرلیا اور انیسویں صدی کی ایک سند کو غالب کے اس شعر سے بدل دیا۔

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ بنے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

اور اس طرح معنی کو مزید معتبر بنا دیا۔

سر جھکانا: مسودے میں بھولے پن سے یا ندامت سے گردن جھکانے کے معنی میں درج کیا گیا تھا۔ بیسویں صدی کی کوئی اچھی سند موجود نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے جلیل مانکپوری کا یہ شعر:

یہ جو سر کو جھکائے بیٹھے ہیں
جان کتنوں کی کھائے بیٹھے ہیں

درج کرکے خامی کو دور کردیا۔

سر ہلانا: انکار، قبول، افسوس اور وجد و تعریف کے موقع کے اعتبار سے اس کے معنی "سر کو جنبش دینا" لکھے گئے تھے۔ کئی سندیں بھی درج تھیں البتہ اٹھارھویں صدی کی سند ایک غیر معروف شاعر کی تھی اور بہت پھسپھسی۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اس میں محمد تقی میر کے اس شعر کا اضافہ کردیا۔

زیر شمشیر ستم میر تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیمِ محبت میں ہلایا نہ گیا

سر چڑھنا: اس محاورے کے معنی میں، مغرور ہونا، گستاخ ہونا، منہ لگنا، اپنی اوقات سے آگے بڑھنا، درج تھا۔ اسناد بھی تھیں لیکن انیسویں صدی کی کوئی معتبر سند موجود نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے امیر مینائی کا ایک شعر درج کرکے اس کمی کو دور کردیا، شعر یہ تھا:

گرد اڑی عشق کی تربت سے تو جھنجھلا کر کہا
واہ سر چڑھنے لگی پاؤں کی ٹھکرائی ہوئی

سر جانا: جان پر بننا، جان سے جانا، ہلاک ہونا، قتل ہو جانا، کے معنی میں درج کیا گیا تھا۔ نثر کے فقروں کی صورت میں کئی سندیں بھی دی گئی تھیں لیکن بیسویں صدی کی کوئی سند درج نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس سے مسودہ واپس آیا تو اس میں کلیم تلمیذ احسن مارہروی کا یہ شعر درج تھا:

سول خود لیتے ہو دردِ سر کلیم
پھر کہو گے ہائے میرا سر گیا

سر اٹھانا: اس کا اندراج حقیقی معنی میں ہوا تھا اور معنی کے ذیل میں جھکے ہوئے سر کو اٹھانا، ابھارنا، بلند کرنا وغیرہ درج تھے، اسناد بھی تھیں لیکن سب نثر کی تھیں، ڈاکٹر صاحب نے اِن میں عزیز لکھنوی کے اس شعر.

ہو نظامِ عالمِ بالا میں بھی اِک انقلاب
نیچی نظریں رکھنے والے ہاں ذرا اب سر اٹھا

کا اضافہ کر کے معنی کے اندراج کو مزید موقر و معتبر بنا دیا۔

سر اٹھانا: یہ محاورہ سنبھلنا، سنبھالا لینا، پنپنا کے معنی میں آیا تھا۔ بیسویں صدی کی کوئی معتبر سند نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب

نے اس کمی کو دور کرنے کے لیے مولانا احسن مارهروی کا یہ شعر۔

آبلوں کو سر اٹھانے کی ذرا مہلت نہیں
ہے کرم صحرا نوردی میں یہ نوکِ خار کا

بطور سند بڑھا دیا۔

سر پر دھمال ہونا: سر پر شور غل ہونا کے معنی میں درج تھا۔ اٹھارھویں صدی کی کوئی اچھی سند نہ مل سکی تھی۔ مسودہ ڈاکٹر صاحب کے پاس سے واپس آیا تو آن کے ہاتھ کا لکھا ہوا میر کا یہ شعر موجود تھا۔

جگر جل کے ہوا ہے کوئلہ بیتاب تو بھی ہوں
طپش سے دل کی میرے سر پہ ہے دھمال مت پوچھو

اس شعر کے اضافے نے معنی مزید معتبر و مستند کر دیئے۔

سر محفل: اس کے معنی، برسرِ محفل، برسرِ عام، سرِ عام، سب کے سامنے، وغیرہ درج تھے اور سند صرف ایک تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے مولانا احسن مارهری کے اس شعر کا اضافہ کر دیا۔

کر شکر خدا اے دل، بیٹھے وہ رہے غافل
اٹھتے تو سرِ محفل محشر ھی بپا ہوتا

اس سند سے لفظ کے معنی بیسویں صدی تک کے مستعملہ کے لیے مستند ہوگئے۔

سر نوشت: "تقدیر کا لکھا ہوا"، "قسمت، مقدر اور نصیب کے معنی میں درج تھا اٹھارھویں صدی کی کوئی سند نہ تھی واجد علی شاہ اختر کا یہ شعر۔

یہ عقیدت مری سرشت میں ہے
وھی ہوگا جو سر نوشت میں ہے

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مسودے میں درج کر کے مسودے کی کمی کو پورا کر دیا۔

سر نشیں : بمعنی "صدر نشیں" درج تھا لیکن اسناد بہت کمزور تھیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے میر تقی میر کے مندرجہ ذیل شعر کا اضافہ کر دیا ۔

سر نشین رہ میخانہ ہوں میں کیا جانوں
رسم مسجد کے تئیں شیخ کہ آیا نہ گیا

اس طرح معنی کو حقیقی سند کا درجہ مل گیا ۔

ڈاکٹر صاحب کی مسودہ بینی سے متعلق اوپر جو چند مثالیں لفظ "سر" کے حوالے سے درج کی گئی ہیں وہ "مشتے از خروارے" کی حیثیت رکھتی ہیں ورنہ سچ یہ ہے کہ اس طرح کی سیکڑوں مثالیں ہیں جن میں اشعار اقوال ، نثری ٹکڑے اور معنی کی تشریحات شامل ہیں ، ان کے اصلاح کردہ مسودوں سے باسانی پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس جگہ ان مثالوں کے ذریعے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب زبان و لغت کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے بھی بہت بڑے پارکھ ہیں۔ بلا کا حافظہ پایا ہے اور اساتذہ کے ایک دو نہیں ہزاروں اشعار ان کے ذہن میں محفوظ ہیں اور وہ اشعار کو اپنی تقریر و تحریر میں اس برجستگی سے استعمال کرتے ہیں کہ ان کے غیر معمولی ذوق شعری اور حافظے کا بہرحال قائل ہونا پڑتا ہے ۔

رہ گئی لغت نویسی کے عمومی مسائل سے ڈاکٹر صاحب کی دلچسپی و نکتہ چینی ، نکتہ رسی کی بات؛ تو اس سلسلے میں ان کے اس بلند پایہ مضمون سے بھی رجوع کرنا چاہیے جو "علامہ سیوطی، اور علم لغت" کے زیر عنوان اردو ڈکشنری بورڈ ہی کے

سہ ماھی مجلہ "اردو نامہ" کراچی بابت جنوری تا مارچ ۱۹۶۲ء میں شائع ھوا ھے اور بڑے سائز کے چونتیس صفحات میں پھیلا ھوا ھے۔ اس مضمون میں انھوں نے علامہ جلال الدین سیوطی کی تصنیف "المزھر" میں بیان کردہ لغوی نکات کا ترجمہ پیش کیا ھے اور اس انداز خاص سے کہ لفظ کے سلسلے میں مجازی و حقیقی معنی کے اساسی محرکات پوری طرح واضح ھو جاتے ھیں ساتھ ھی لفظ و معنی کے باھم رشتے کی بعض ایسی گرھیں کھل کر سامنے آجاتی ھوں جن سے واقفیت، لغت کی ترتیب و تدوین کے لیے بہرحال ضرروری ھے۔